لا الٰہ الا اللہ

(از جناب سید محمد نواز صاحب بی۔ اے آنرز)

چو می گویم مسلمانم بلرزم

کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را

کس آسانی، کس سادگی اور کس لاعلمی سے ہم کلمہ طیبہ کو پڑھ جاتے ہیں! گویا ہمارے منہ سے ایک بے ضرر سا جملہ تکیۂ کلام کے طور پر نکل گیا۔ روزمرہ کی زندگی میں ہم خدا جانے کتنی دفعہ اسے کہتے ہیں اور سنتے ہیں۔ اذان دیتے ہوئے، نماز پڑھتے ہوئے، وضو کرتے وقت، مراقبہ کے اندر، دوران تسبیح میں، سونے سے پہلے، جاگنے کے بعد، غرض شاید ہی کوئی ایسا موقع ہوگا جب ہم اسکا ذکر نہ کرتے ہوں۔ جب مرتے ہیں تو یہی پڑھتے ہیں، جب پیدا ہوتے ہیں تو یہی آواز پہلے پہل ہمارے کانوں میں پہنچائی جاتی ہے۔ مگر جس قدر زیادہ ہم اسکا ورد کرتے ہیں اتنا ہی کم اسکے معانی پر غور کرنیکی تکلیف گوارا کرتے ہیں۔ مطالب کی وہ دنیا جو ان چار الفاظ میں سمٹی ہوئی ہے ہمارے افقِ نگاہ سے دور ہی رہتی ہے۔

اُن بہت سے "مسلمانوں" کو تو جانے دیجئے جو کلمہ کو جانتے تک نہیں۔ مگر جو جانتے ہیں انکی اکثریت بھی اس شمشیرِ براں کو اپنی پوری آب و تاب میں دیکھنے سے قاصر ہے۔ انکی آنکھیں بھی اس برقِ جہاں سوز کے آگے خیرہ ہو جاتی ہیں۔ وہ بھی اسی میں اپنی سہولت سمجھتے ہیں کہ اسے طوطے کی طرح بے معنی ہی رٹ لیا جائے، جس طرح ایک تسبیح خواں بعض اوقات بھول جاتا ہے کہ وہ کیا کہے جا رہا ہے۔ وہ اس بات کو محسوس نہیں کرتے، اور شاید محسوس کرتے ہوئے ڈرتے ہیں کہ اس فیصلہ کن اقرار کا عقلی اقتضاء کیا ہے۔ یہ ان

کے لیے زندگی کے کن راستوں کو بند کرتا ہے، اور کن دوسرے راستوں کی طرف انہیں لے جانا چاہتا ہے، دنیا کے ربط و تعلق کی کن صورتوں کو قطع کرتا ہے اور کن دوسری صورتوں کو قائم کرنا چاہتا ہے۔

لفظی ترجمہ تو خیر صاف ہی ہے "کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے" لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ اس جملہ کے مقتضیات اور مطالبات کیا ہیں۔ جس چیز کو ہم اکثر نظر انداز کر جاتے ہیں وہ یہ ہے کہ یہ سادہ سا فقرہ جو ہم کمال بھولے پن سے ہر وقت کہتے رہتے ہیں (حتیٰ کہ بعض جگہ اظہارِ حیرت کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے اور بسا اوقات قسم کھانے کا بھی ایک معمولی ذریعہ ہے) یہ ہمیں کن پابندیوں میں جکڑ لیتا ہے، اور زبان سے صرف ان چار لفظوں کا نکلنا ہم پر کس قدر ذمہ داریوں کا بوجھ ڈال دیتا ہے۔

یہ تو واضح ہے کہ سب سے پہلا فرض جو لا الٰہ الا اللہ پر ایمان لانے والے پر عائد ہوتا ہے یہ ہے کہ وہ شرک نہ کرے یعنی اللہ کے سوا کسی اور کو رب تسلیم نہ کرے، کسی کی خدائی نہ مانے، کسی کے آگے سر نیاز نہ جھکائے، عبادت کرے تو اُسی کی، استعانت چاہے تو اُسی سے (اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ)۔ لیکن اس ایمان کے یہ تمام معنوی نتائج جو بیان کیے گئے ہیں، مجمل بلکہ مبہم ہیں۔ اللہ کے سوا کسی کو نہ ماننا، کسی کی خدائی تسلیم نہ کرنا، کسی کے آگے سر نہ جھکانا، کسی کی عبادت نہ کرنا، کسی سے استعانت نہ کرنا، یہ سب مبہم باتیں ہیں۔ ان میں پھیلنے کی استعداد بھی ہے اور سکڑنے کی بھی۔ ان کا پھیلنا اور سکڑنا دراصل اُس آدمی کی نظر پر موقوف ہے جو کلمہ پر ایمان لانے کا ادعا کرتا ہے۔ اُس کی نظر وسیع ہو تو ان مفہومات میں پھیلنے کی اتنی قوت ہے کہ ساری کائنات اور کائنات کے سارے مسائل و معاملات پر پھیل جائیں۔ اُس کی نظر محدود ہو تو ان میں سکڑنے اور سمٹنے کی بھی اتنی قابلیت موجود ہے کہ صرف قول تک یا صرف چند رسمی اعمال تک محدود ہو کر رہ جائیں اور ایک محدود دائرے کے باہر ساری زندگی ان کی گرفت سے آزاد ہو جائے۔

بدقسمتی سے آج کل مسلمانوں کا عام میلان وسعت کے بجائے محدودیت ہی کی طرف ہے۔ ان کا

ہر گروہ اس کلمہ کے کسی ایک محدود معنی پر نظر جمائے بیٹھا ہے۔ وسیع مفہوم کے لیے یا تو ان کے ذہن ہی تنگ ہیں، یا ہمت قاصر ہے اور اسکے نتائج سے یہ لرزہ براندام ہیں۔

مثال کے طور پر علماء کو لیجیے۔ اکثر حضرات شرک، نفاق، انکار، کے وسیع مفہوم سے گریز کرتے ہیں (نہ ہے قسمت!)۔ وہ لِسانی ایمان کے زیادہ قائل ہیں۔ اُنکے نزدیک یہ کافی ہے کہ ایک آدمی زبان سے اقرار کرلے کہ "اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں"۔ خواہ وہ خدا یا معبود کے مفہوم سے قطعی ناواقف ہو اور نہ جانتا ہو کہ یہ اقرار کرکے وہ دنیا کی تمام ہستیوں سے کیا چیز سلب کررہا ہے اور اللہ وحدہٗ لاشریک کے لیے کس چیز کو خاص کررہا ہے۔ خواہ اسکی زندگی بحیثیت مجموعی اور اسکی ایک ایک حرکت یہ ثابت کر رہی ہو کہ اس نے اس کلمہ کے معنی کو جان کر اسکا اقرار نہیں کیا ہے، کیونکہ یہ اقرار کرنے کے بعد اس میں یک سرِ مو کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔ اقرار سے پہلے جیسا تھا اقرار کے بعد بھی ویسا ہی رہا۔ مگر علماء کو اصرار ہے کہ ایسا شخص "مومن" ہے اور دخول جنت کی بشارت اسکو پہنچتی ہے۔ گویا کفر و اسلام کا سارا جھگڑا بس لٓ الف اور ہٗ سے بنے ہوئے ایک چھوٹے سے فقرے کے تلفظ پر ہے۔ جو ان الفاظ کے ساتھ زبان کو جنبش دیکر ہوا میں چند لہریں پیدا کردے گا، اللہ اس خدمت کے صلہ میں اسے جنت عطا فرمائیگا، اور جو ہوا میں یہ لہریں پیدا کرنے سے قاصر رہے گا، اس سے اللہ تعالیٰ اتنا ناراض ہوگا کہ ہمیشہ کے لیے اسے دوزخ میں جھونک دیگا!

صوفی حضرات عموماً اور چیزوں کی طرح کلمہ کو فلسفیانہ رنگ دیتے ہیں۔ "کوئی خدا نہیں سوائے اللہ کے" آہستہ آہستہ "کچھ نہیں سوائے اللہ کے" میں تبدیل ہوجاتا ہے اور بالآخر "ہمہ اوست" کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ ارتقائے معانی کے اس عمل (process) کو وہ اپنی اصطلاح میں "نفی و اثبات" کہتے ہیں۔ گویا پہلے ہر چیز کی نفی کی، بعد میں اللہ کا اثبات کرکے ہر ایک چیز میں اُسی کے نور کی جھلک دیکھنے لگے۔ جہاں تک "نفی و اثبات" کے بنیادی تصور کا تعلق ہے، بلاشبہ وہ کلمہ کے صحیح مفہوم سے

نہایت قریب ہے، بلکہ اسکا منبع ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ "نفی و اثبات" کا ذکر انفرادی طور پر کسی مسلمان کے قلب پر اسرارِ وحدت کا انکشاف تو کر سکتا ہے اور اسے سیر فی اللہ اور سیر مع اللہ اور سیر الی اللہ کی منازل کا سفر بھی کرا سکتا ہے، مگر اس رنگین اور دلآویز باطنی سیر میں اتنی قوت نہیں کہ اجتماعی طور پر مسلمانوں کو ایک کارکن جماعت بنا کر انہیں صحیح معنوں میں غیر اللہ کی نفی اور اللہ کا اثبات عملاً قائم کرنے پر ابھار سکے۔ شخصی طور پر وہ آدمی جس نے "نفی و اثبات" کا قلبی ذکر کیا ہو، ممکن ہے کہ وہ توحید ایزدی کی وجد آور کیفیات میں استغراق حاصل کر سکے۔ مگر علمی نقطۂ نظر سے کلمہ کے پورے مقتضیات اُس پر واضح نہیں ہوتے، بلکہ آخر کار "ہمہ اوست" کا تصور خود ہی اسکی بے عملی میں ممد بن جاتا ہے کیونکہ اس دُنیا میں اُسے سوائے اللہ کے کچھ نظر ہی نہیں آتا جس سے اسکو الجھنا پڑے یا جسکے خلاف اُسے واجباً سعی کرنی پڑے۔

لَا کو آپ نفی کہہ دیں یا "تخریب" اور اِلَّا کو اثبات کہیں یا "تعمیر" مدعا ایک ہی ہے۔ لَا اِلٰہ اس بات کا اعلان ہے کہ دنیا میں کوئی چیز قابلِ تسلیم، لائق اطاعت اور مستحق تقلید نہیں ہے۔ وہ تمام مختلف نظام جو مختلف زمان و مکان میں عقل انسانی (یا جہل انسانی) کے تراشے ہوئے ہیں غلط ہیں آپ کو انہیں مٹانا ہے اور انکی تخریب کرنی ہے۔ اب جو فرد یا جو گروہ "لا" پر عمل کرنے لگا، سمجھیے کہ اُس نے راہِ توحید پر پہلا قدم اٹھالیا۔ لیکن اب لغزش کا مقام آگیا، جہاں ممکن ہے کہ کسی رُوس کی ۱۷ کروڑ آبادی ساری کی ساری آنِ واحد میں پھسل پڑے، جہاں کسی زار پر "لا" کا خطِ تنسیخ کھینچنے کے بعد کوئی لینن یا کوئی سٹالن اسکی جگہ الٰہ بن جائے۔ دنیا کے جدید مذاہب و مسالک اسی غلطی میں گرفتار ہیں۔ کہیں سرمایہ داری کی تخریب ہوتی ہے تو اسکی جگہ زمامِ کار "مزدور" کے ہاتھ میں دے کر گویا ایک لات کی جگہ دوسرے منات کو ملتی ہے کہیں ملوکیت کا بت پاش پاش کیا جاتا ہے تو اسکی جگہ آمریت کا دیوتا بٹھا دیا جاتا ہے۔ اس مشکل مقام پر اس دوراہے پر اِلَّا آکر دُنیا کو سنبھالتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ جس خونخوار نمرود کو گراؤ اُسکی جگہ کسی اور بھیس میں ویسا ہی خونخوار فرعون نہ بٹھاؤ، بلکہ اس تخریب کے بعد ایک ایسی عمارت تعمیر کرو جو اللہ کے منشا

ہوئے طریقہ پر مبنی ہو۔ اگر لا کو آپ الا سے علیحدہ کر دیں تو گویا چنگیز کی جگہ کسی ہلاکو کے لیے خالی کر رہے ہیں:۔

نہادِ زندگی میں ابتدا لا انتہا الا ۔۔۔ پیامِ موت ہے جب لا ہوا الا سے بیگانہ

وہ ملت روحِ حجازی کا سے آگے بڑھ نہیں سکتی ۔۔۔ یقیں جانو ہوا لبریز اُس ملت کا پیمانہ

اب ایک منٹ کے لیے تصور کیجیے کہ دنیا کی جو قومیں محض لا الٰہ کے پھیر میں پڑی ہوئی ہیں اگر وہ الا اللہ پر بھی عامل ہو جائیں تو کیا اس جہانِ پیر کی تقدیر بدل نہیں سکتی؟ یہ الا انکو ایک ایسی لڑی میں پروئے، ایک ایسے نظامِ واحد میں منسلک کرے کہ انکی باہمی تخریب، انکی تہذیبی، تمدنی، معاشی، نسلی، قومی، سیاسی، طبقاتی نزاعیں، انکی خودکشی کی کوششیں سب ختم ہو جائیں۔ انکی ہوسناکیاں، جوع الارض کے لیے مکاریاں، ریاکاریاں اور منافقتیں سرے سے مٹ جائیں۔

یہ تو خیر دور کی بات ہے۔ دوسروں کو سمجھانے سے پہلے ذرا اپنے آپ کا محاسبہ کر لیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم ابھی مقامِ "لا" سے بھی کوسوں دور ہوں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ عملی طور پر تو ہم صنم پرستی کر رہے ہوں اور زبان سے یہ کہتے پھرتے ہوں کہ لا الٰہ الا اللہ۔ جونہی اپنے گریبان میں منہ ڈالیں گے عجیب تماشا نظر آئیگا۔ ہم میں جو ناخواندہ طبقہ ہے ان کا سب سے بڑا بت جہالت کا بت ہے یہ خدا انہیں بہت عزیز ہے۔ اوّل تو انہیں وسائل ہی مہیا نہیں اور اگر ہوں بھی تو اُنکے لیے تعلیمِ دینی اپنے اندر اتنی جاذبیت بھی نہیں رکھتی کہ وہ تفحص کریں کہ آخر ہم دن میں پانچ دفعہ نماز کے اندر اللہ سے کیا کہتے ہیں۔ انکی عمریں نمازیں پڑھتے گذر جاتی ہیں اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کے معنی نہیں آتے یہ خبر نہیں ہوتی کہ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کا مفہوم کیا ہے۔

اس بڑے بت کے جلو میں اور بہت سے بت ہیں۔ اللہ کے بعض نیک بندوں کو چھوڑ کر جھوٹے پیروں کے لشکر کے لشکر پھر رہے ہیں جو عوام کی بڑی تعداد کو اپنے دامِ تزویر میں پھنسائے ہوئے ہیں

اور نہیں چاہتے کہ علم و بصیرت کی روشنی اِن غریبوں تک پہنچ سکے۔ یہ پیرِ "ہمہ اوست" کی آڑ میں خدائی تک کے دعویدار بن جاتے ہیں اور اپنے مریدوں کے قویٰ پر ایک ایسا جمود طاری کرتے ہیں کہ اُن کے اعضاء تیزابِ "الست" میں مضمحل ہو کے رہ جاتے ہیں۔

اِنکے علاوہ جاہل ملاؤں، ذاکروں، مجتہدوں، رئیسوں اور نوابوں کی تعداد ہے جو لوگوں کو اپنے آگے جھکواتے ہیں اور انکی جہالت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنے حلقۂ اثر میں خدائی کا کھلا یا چھپا اعلان کر رہے ہیں۔ یہ سب کچھ صرف اس وجہ سے ہے کہ بندے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کو نہیں جانتے۔ یہی کلمہ جو مالک اور حاکم کو متعین کرتا ہے، اصل میں مملوک اور محکوم کو بھی اسکے اصلی مقام سے آگاہ کرتا ہے یعنی اگر خدا کی یہ شان ہے کہ اسکے سوا کوئی فرماں روا نہیں، تو انسان کی بھی یہ شان ہے کہ اس کا سر تسلیم خدا کے سوا کسی بناوٹی فرماں روا کے آگے جھک نہیں سکتا۔ چنانچہ اگر آپ دنیا کے سب سے زیادہ منکر اور سب سے زیادہ متکبر شخص کو دیکھنا چاہتے ہوں تو اُس کو دیکھیں جو اللہ کے آگے جھکا ہوا اپنی جبینِ نیاز زمین پر رکھے ہوئے ہو۔ یہ ایسا نیاز ہے کہ کوئی ناز اسکے آگے ٹھیر نہیں سکتا۔ اسلئے کہ وہ آدمی جو خدا کے سامنے جھک رہا ہے ایک طرف اپنی کمال عبودیت اور عجز کا اظہار کر رہا ہے اور دوسری طرف یہ بھی بتلا رہا ہے کہ اے خدا یہ گردن صرف تیرے ہی آگے جھک سکتی ہے، اگر کائنات کی کوئی اور طاقت یا تمام طاقتیں مل کر بھی اسے جھکانا چاہیں تو یہ خم نہ ہو سکے گی۔ اللہ کی اطاعت غیر اللہ سے بغاوت کا دوسرا نام ہے۔ پس خدا کی پہچان انسان کو لازمی طور پر خود اپنے مقام سے بھی آگاہ کرتی ہے۔ اسی کے فقدان کو مودودی صاحب نے "خدا فراموشی و خود فراموشی" کہا ہے۔ اور اسی اثر کے تحت اقبال حضورِ رسالت میں عرض رساں ہیں:

نہ با ملا نہ با صوفی نشینم — تو میدانی کہ من آنم نہ اینم
نویسں اللہ بر لوحِ دلِ من — کہ ہم خود را ہم او را فاش بینم

اب عوام کو چھوڑ کر ذرا خواندہ حضرات کی طرف آیئے۔ ان میں سے بعض تو اشتراکیت کو دنیا کی نجات کا ذریعہ سمجھ کر اسلام سے مایوس ہو رہے ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں جو وطنیت کے جذبہ میں سرشار پکار پکار کر کہتے پھرتے ہیں کہ "ہم مسلمان نہیں ہیں بلکہ ہندوستانی ہیں"۔ انکا دین بھی وطن اور خدا بھی وطن ہے:۔

تہذیب کے آذر نے ترشوائے صنم اور مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
اِن تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے!

جو اس خدا کی پرستش سے بچے وہ "قومیت" کے نظر فریب جال میں اُلجھ گئے۔ ان سب کا مشترک بت کدہ "مغربیت" ہے جس میں بے شمار بت رکھے ہوئے ہیں اور ان میں سے ہر ایک اس کے بتوں میں سے کسی نہ کسی کے آگے سربسجود ہے۔ پھر ایک اور "خدا"، اور بعض کے لیے سب سے بڑا "خدا" انگریز ہے جسکے سامنے بندوں اور پرستاروں کا ایک جمگھٹا لگا ہوا ہے اور ان میں عالم و جاہل سب ہی قسم کے لوگ نظر آتے ہیں:۔

سجودے آوری دار او جم را مکن اے بے خبر رسوا حرم را
مبر پیشِ فرنگی حاجتِ خویش زطاقِ دل فرو ریز این صنم را

اب انصاف سے کہیئے جس قوم کے اتنے "خدا" ہوں اُسے کیا حق ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہے؟ اُسے تو یہ کہنا چاہیئے کہ اللہ کے سوا باقی سب خدا ہیں، تب وہ سچ کہہ رہی ہوگی۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا تو منشا یہ ہے کہ خدائی یعنی پادشاہت صرف اللہ کی مانی جائے۔ پس یہ سچائی نہیں ہے کہ عمل میں اور واقعہ میں تو "خدائی" کسی اور کی تسلیم کی جائے اور زبان سے کہا یہ جائے کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں۔

جب ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں، تو اس کا مطلب صرف یہی نہیں ہوتا کہ اس کے

سوا کوئی مسجود و معبود (object of worship) نہیں ہے اور کوئی اس لائق نہیں ہے کہ اس سے دعا مانگی جائے یا اسکے آگے نذر و نیاز پیش کی جائے، بلکہ اس سے یہ مراد بھی ہوتی ہے کہ اس کے سوا کوئی مالک نہیں، کوئی بادشاہ نہیں، کوئی حاکم نہیں۔ اسکے سوا کوئی نہیں جسکے حکم کو بے چون و چرا مان لیا جائے۔ اس کے سوا کوئی نہیں جسکے قانون کو قانون تسلیم کیا جائے۔ اسکے سوا کوئی نہیں جسکو انسان اپنے سے بالاتر سمجھے اور جسکے آگے ذلت، غلامی، نیازمندی اور محکومی اختیار کرے۔ اسکے سوا کوئی نہیں جو حکمت و دانائی کا منبع ہو اور جسکو حقیقت و صداقت کے علم کا آخری ماخذ سمجھا جا سکے۔ اسکے سوا کوئی نہیں جو منتہائے کلام ہو، یعنی جسکے فیصلہ پر کسی کو کلام کرنے کا حق نہ ہو۔ تنہا وہی اس کا حقدار ہے کہ انسان اسکی اطاعت کرے۔ تمام اطاعتیں اسکی اطاعت کے ماتحت اور اسکی اطاعت کی شرط سے مشروط ہیں۔ ماں، باپ، استاد، مرشد، حاکم غرض جو کوئی بھی ہو، اسکی اطاعت خدا کی اطاعت کے تابع ہوگی۔ جو اسکی اطاعت سے آزاد ہے اسکی اطاعت سے ہم آزاد ہیں۔ یہ سب اللہ کو الٰہ واحد تسلیم کرنے کے لوازم ہیں۔ جو شخص ان میں سے کسی حیثیت سے بھی اللہ کو الٰہ تسلیم نہیں کرتا وہ دہریہ ہے۔ اور جو بعض حیثیتوں سے اسکو الٰہ مانتا ہے اور بعض حیثیتوں میں دوسروں کو اس کا شریک یا حصہ دار بناتا ہے وہ شرک کا مرتکب ہے۔ صرف غیر کو سجدہ کرنا یا غیر سے دعا مانگنا یا غیر کے آگے نذر و نیاز پیش کرنا ہی شرک نہیں ہے، بلکہ شرک کی اور بھی بہت سی صورتیں ہیں۔ جب ہم کسی انسان کے آگے ہاتھ باندھے نظریں جھکائے کھڑے ہونگے اس وقت ہم شرک کر رہے ہونگے۔ جب کسی کو نافع و ضار سمجھ کر اس سے طمع یا خوف کرینگے تو شرک کرینگے۔ جب کسی کو اپنی جان و مال کا مالک سمجھینگے تو شرک کرینگے۔ جب کسی کو مطاع مطلق اور بالذات صاحب امر و نہی سمجھینگے تو شرک کرینگے۔ جب اللہ کے سوا کسی اور کی طرف راہ راست معلوم کرنے کے لیے رجوع کرینگے یا کسی اور کو ہدایت اور حکمت و دانش کا ماخذ سمجھینگے تو دراصل اسے خدا مانینگے۔ جب کسی لیجسلیچر یا پارلیمنٹ یا فرد واحد کو قانون بنانے کا مختار سمجھینگے، یا کسی کی اس حیثیت کو تسلیم کرینگے کہ اسکی رضا (sanction) سے قانون بنتا ہے تو دراصل اسے

خدا تسلیم کرینگے۔ غرض شرک کے حدود اتنے تنگ نہیں ہیں جتنے لوگوں نے سمجھ رکھے ہیں، اور توحید الٰہ کی وسعت اتنی محدود نہیں ہے جتنی آج کل عام طور پر مسلمانوں کے گمان میں ہے۔ بلکہ دراصل اسکے حدود بہت وسیع ہیں۔ زندگی میں ہر ہر قدم پر ہمارے سامنے یہ سوال آتا ہے کہ ہم اللہ کو الٰہ مانتے ہیں یا کسی اور کو۔ ان تمام مواقع پر ہر ایک کی الٰہیت سے انکار اور صرف خدا کی الٰہیت کا اعتقادی و عملی اقرار توحید ہے۔ اور جہاں کسی رنگ میں بھی کسی دوسرے کی الٰہیت مان لی وہیں شرک ہو گیا۔ یہی چیز تو ہے جسکی وجہ سے مسلمان ہونا دنیا میں سب سے زیادہ سخت اور مشکل کام ہے۔ ورنہ اگر بات صرف اتنی ہوتی کہ کسی اور کو سجدہ نہ کرو اور کسی اور سے دعا نہ مانگو، تو کوئی بڑی مشکل نہ تھی۔

اب رہا یہ سوال کہ خدا کی اطاعت اور اسکے قانون کی پیروی کس طرح کی جائے، تو اس معاملہ میں ہم آزاد نہیں ہیں کہ جس چیز کو چاہیں خدا کا حکم اور قانون ٹھیرالیں اور اسکی پیروی کریں۔ بلکہ اس علم کا ذریعہ ہمارے لیے صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ اسی لیے "محمدٌ رسول اللہ" کلمہ کا ضروری جزو قرار دیا گیا تاکہ یہ تعین کر دے کہ اللہ کا راستہ وہ ہے جو اُس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج کر اُنکے ذریعے سے بتلایا۔ گویا کلمہ نہ صرف وحدتِ الوہیت کا اعلان ہے بلکہ وحدتِ امامت کا بھی۔ پھر وہ تمام انسان جو اس پر ایمان لائیں ایک امت ہیں، اس طرح وحدتِ امت بھی اسی میں آگئی۔ اور چونکہ غریب و امیر، راعی و رعایا سب یکساں طور پر اُس ایک خدا کے بندے ہیں اور کوئی کسی کا بندہ نہیں ہے اس لیے مساوات، اخوت، حریت، انسداد برہمنیت و پاپائیت، حرمتِ ملوکیت، غرض اسلام کے تمام اصول اِن جامع الفاظ میں موجود ہیں۔ اور چونکہ لا الٰہ الا اللہ پر ایمان لاتے ہی آدمی پر ہر غیر الٰہی نظام کی (خواہ وہ سیاسی ہو یا مذہبی یا معاشرتی یا کوئی اور) تخریب اور اسکی جگہ ایک الٰہی نظام کی (جو زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہو) تعمیر لازم ہو جاتی ہے لہٰذا جہاد بھی اسی میں آگیا۔

پس اللہ کی خدائی پر ایمان درحقیقت اسی جگہ ہوگا جہاں قرآن کی حکومت ہو، جہاں شریعت

محمدیہ کے قانون نافذ ہوں، جہاں لوگوں کی زندگیاں احکام قرآنی کے مطابق بسر ہوتی ہوں، اور جہاں اللہ کے سوا کوئی کسی حیثیت سے بھی الا نہ مانا جاتا ہو۔ مگر جہاں یہ سب کچھ نہ ہو، جہاں قرآن کی بجائے "تعزیرات ہند" پر عمل ہو رہا ہو، جہاں محمد کی عدالت کی بجائے "جارج ششم" کی عدالتیں قائم ہوں، جہاں کفر کی شریعت نافذ ہو، مجھے بتلایئے وہاں یہ کہنا کہ "اے اللہ ہم تو تجھے ہی اپنا اصلی بادشاہ مانتے ہیں، تیرے ہی آگے جھکتے ہیں، محض تیری حکومت تسلیم کرتے ہیں"، کیا یہ جھوٹ نہ ہوگا؟ کیا یہ خدا فریبی اور خود فریبی نہ ہوگی؟ قرآن کہہ رہا ہے چور کا ہاتھ کاٹ دو، انگریز کا قانون کہتا ہے نہیں اسے صرف سال چھ مہینے کے لیے جیل بھیج دو۔ قرآن زانی کو سنگسار کراتا ہے۔ انگریز کے نزدیک زنا کوئی گناہ ہی نہیں بلکہ اُلٹا رجم کرانیوالا پھانسی پر چڑھا دیا جائیگا۔ قرآن کہتا ہے کہ سود باطل ہے۔ انگریز کہتا ہے نہیں سود حق ہے، نہ دوگے تو زبردستی دلایا جائیگا۔ یہ صرف چند مثالیں ہیں۔ ورنہ زندگی کا کونسا معاملہ ہے جس میں انگریز کا قانون خدا کے قانون سے متصادم نہیں ہوتا۔ مگر ہم نہ صرف یہ کہ خدا کے قانون کے مقابلہ میں انگریز کے قانون کو قانون تسلیم کر رہے ہیں، بلکہ اپنے معاملات کو اسی قانون کے مطابق طے کرانے لے جاتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ ہمارے بہت سے بھائی جو خدا کے قانون پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہیں، وہی روزانہ عدالت کی کرسی پر بیٹھ کر انگریز کے قانون کے مطابق فیصلے کرتے ہیں۔ اور بہت سے مدعیان ایمان بلکہ محافظین اسلام تک روٹی ہی اس بات کی کھاتے ہیں کہ انگریز کے قانون کے مطابق لوگوں کے مقدمات کی وکالت کریں۔ ان سب باتوں کے بعد جب لا الٰہ الا اللہ کہا جاتا ہے تو خدارا بتایئے کہ یہ خدا کے ساتھ مذاق کرنا یا اپنے نفس کو فریب دینا نہیں تو اور کیا ہے؟

مجھے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ جب کوئی کلمۂ شہادت پڑھتا ہے اور کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں، تو یا تو وہ اسے سمجھتا ہی نہیں اور یا جان بوجھ کر جھوٹ بول رہا ہے۔ اگر اُسکو یقین ہو کہ اللہ کے سوا حقیقت میں اس کا کوئی الٰہ نہیں ہے تو وہ تمام ایسی حکومتوں اور بادشاہتوں

سے، جو غیر اللہ کی ہوں، ٹکرائے گا اور یا انہیں پاش پاش کر دے گا یا خود پاش پاش ہو جائیگا۔ بہر حال غیر خدا کی خداوندی و حاکمیت کے آگے سرِ تسلیم خم کر دینا اور غیر الٰہی نظام کو چلانے میں حصہ لینا اور پھر اس خدمت کی روٹی کو مزے سے کھانا اور ہضم کرنا، اور پھر ان سب حرکتوں کے ساتھ اسلام اور اسلامی کلچر کی حمایت و حفاظت کے دعوے لے کر اٹھنا، یہ ایسی بدترین منافقت ہے جسے گوارا کرنے کی تاب کوئی مومن تو نہیں رکھ سکتا۔

لا الٰہ الا اللہ محض ایک جملہ نہیں ہے۔ بلکہ اعلان ہے، چیلنج ہے اس بات کا کہ اے دُنیا والو، تم نے جو سیاست، معیشت، تمدن اور معاشرت کے نظام احکامِ الٰہی کے خلاف قائم کر رکھے ہیں، مسلمان ان سب کو توڑنا چاہتا ہے۔ جو خود تراشیدہ بُت تم پُوجتے ہو ہم ان انہیں پاش پاش کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ وہ محض اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کر سکتا ہے۔ باقی تمام مطاعوں کی اطاعت اور تمام اماموں کی امامت کو اُسے ختم کرنا ہے:

صنم کدہ ہے جہاں اور مردِ حق ہے خلیلؑ
یہ نکتہ وہ ہے کہ پوشیدہ لا الٰہ میں ہے

لیکن اگر اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والا غیر الٰہی نظام زندگی پر رضامند ہے، اگر وہ "مصلحتِ وقت" کا بندہ بنا ہوا ہے، اور وہ (ارباباً من دون اللہ) کو برباد کرنے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ کفر کی اطاعت کو گوارا کرتا ہے تو یقیناً وہ جتنی مرتبہ زبان سے کلمۂ پاک کا ورد کرے گا اتنی ہی مرتبہ ناپاک جھوٹ بولے گا۔ جس حال میں ہم آج کل کلمہ پڑھتے ہیں اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا ہر مسجد سے ہر روز دن میں پانچ بار اعلان کرتے ہیں، اگر ہم اسکا مطلب سمجھتے تو یا تو یہ کہنا ہی چھوڑ دیتے کیونکہ کفر کی غلامی میں رہ کر ہمیں یہ پکارتے ہوئے شرم آتی کہ اے دُنیا والو، سُن لو۔ ہم اللہ کے سوا کسی کی حکومت کو نہیں مانتے، ہمارا فرمانروا بلا واسطہ صرف اللہ ہے، اُسکے سوا ہم تمام بادشاہتوں کو توڑنے آئے ہیں"۔

اور یا پھر مردانہ وار تمام دنیاوی خداؤں کا تختہ اُلٹنے کے لیے کھڑے ہو جاتے اب تو ہماری لا الٰہ الا اللہ کی آوازیں بالکل ایسی ہیں جیسے سپین کے شکست خوردہ مسلمانوں کے "اللہ اکبر" کے نعرے تھے وہ نعرے بے سود تھے کیونکہ زبان سے تو وہ کہہ رہے تھے کہ اللہ سب سے بڑا ہے، مگر اصل میں اُن کے لیے ان کے نفس کا شیطان "سب سے بڑا" ہو چکا تھا، اور اُس کے بعد اگر کسی کی بڑائی ان کے دلوں میں بیٹھی ہوئی تھی تو وہ عیسائی حملہ آوروں کی بڑائی تھی۔ وہی حال آج ہمارا بھی ہے۔ زبانوں سے کہہ رہے ہیں لا الٰہ الا اللہ مگر دلوں میں غیروں کی تعلیم، مدنیت، زبان، تاریخ، ہر چیز سے مرعوب ہو چکے ہیں۔ کبھی اس ازم (ism) کی پناہ لیتے ہیں اور کبھی اُس مہاتما کے دامن میں جا چھپتے ہیں، کبھی وائسریگل لاج کو قبلہ بناتے ہیں اور کبھی آنند بھون کو:

بتوں سے تجھ کو امیدیں، خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

فسطائیت، اشتراکیت، الحاد، مادّیت، دہریت، کے طوفان کرۂ ارضی پر اُمڈے چلے آتے ہیں۔ انکے جلو میں بحری بیڑے ہیں، ہوائی جہاز ہیں، ٹینک ہیں، زہریلی گیسیں ہیں، آتش افروز بم ہیں مشین گنیں ہیں، جنکے گولوں کی مہیب آوازیں سینۂ کائنات میں ہیجان برپا کر رہی ہیں، جن کی گرج اور کڑک سے دنیا تھرا رہی ہے، جنکے سرخ سرخ کوسمے کی حرارت سے ہماری یہ ٹھوس زمین پگھلی چلی جا رہی ہے ابلیسی طاقتیں پورے کرّ و فر سے یزدانی قوتوں سے برد آزما ہیں۔ "شرارِ بولہبی" پوری تندی سے "چراغ مصطفوی" کے ساتھ ستیزہ کار ہے۔ دیکھیں اس کشمکش میں نیابت الٰہی کا واحد علمبردار کیا کرد کھاتا ہے

دنیا کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو اُبھارا

اللہ کو پامردیٔ مومن پہ بھروسا — ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا
تقدیرِ امم کیا ہے، کوئی کہہ نہیں سکتا — مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارا